کتاب سازی و کُتب خانہ سازی

(اسلام کا ایک ثقافتی ورثہ)

جناب محمد حلیم چشتی صاحب

اس مضمون میں اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی ثقافتی ورثہ کتاب سازی کی شرعی حیثیت و تحریک کتب سازی کے ابتدائی نقوش و اثرات کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اسلامی کتب خانوں کی تاریخ کے سلسلہ کی ابتدائی کڑیوں کا دوسری کڑیوں سے باہمی ربط نمایاں ہو سکے۔ اور عہدِ عباسی میں کتب خانوں کی تاریخ کے رہنما خطوط واضح ہو سکیں۔ نیز ان امور کو واضح کیا گیا ہے کہ کتب خانہ کیوں کر عہد تمدن کی یادگار بنا، کن بنیادوں پر اسے ذہنی طاقت کا سرچشمہ تسلیم کیا گیا۔ اور وہ ایک تہذیبی و ثقافتی ورثہ کی اساس بن سکا جو قوم کو اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں تصنیف و تالیف اور صنف وار تبویب و ترتیب

مسلمانوں میں تصنیف و تالیف، کتابوں کی ہمنسقی و صنف وار تبویب و ترتیب اور کتب خانہ سازی حالات کے پیشِ نظر کبھی واجب، کبھی مستحب اور کبھی مباح رہی ہے اس لیے کہ جب وحی اُتری نورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قلم بند کرایا۔ یہ امر واجب تھا۔ اسی

حکم میں ضمناً دینی کتب داخل ہوئیں[1]۔ حالات کے پیشِ نظر ان کا ذخیرہ کرنا ، ان کی تبویب و ترتیب کرنا بھی واجب ، مستحب و مباح ہے[2]۔ انہی وجوہ سے اقوامِ عالم کا علمی ورثہ بھی ائمہ مجتہدین کی دُور رس نگاہوں سے اوجھل نہیں رہا ۔ انہوں نے اس کا بھی شرعی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیا اسے عربی میں ترجمہ کرانے کا حکم دیا ۔ چنانچہ امام شافعیؒ کتاب الام میں رقمطراز ہیں:

"عجمیوں کی جو کتابیں ملیں وہ سب مالِ غنیمت ہیں ۔ خلیفۂ وقت کو چاہیے کہ ترجمہ کرنے والوں کو بلائیں ۔ ان کا ترجمہ کرائیں اس لیے کہ طب وغیرہ علوم میں کوئی کراہت نہیں ہے ، انہیں فروخت کریں جس طرح دوسری غنیمت کی اشیاء فروخت کی جاتی ہیں (مشرکانہ ادب پر قدغن لگائی جا سکتی ہے اسے ضائع بھی کیا جا سکتا ہے) ان کے ظروف و آلات سے فائدہ اٹھائیں ، انہیں فروخت کریں ۔ کتابوں کو جلانے بغیر جلانے اور دفن کرنے کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے"[3]

---

[1] دینی کتابیں جن کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور کہنا چاہیے کہ دین و دنیا کے جملہ علوم و فنون جن کا ایک مسلمان کی فلاح و بہبود سے کسی نوع کا بھی کوئی رشتہ ہو سکتا ہے وہ تمام علوم و کتب اس کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں ۔

[2] ابن القیم الجوزیہ ، الطرق الحکمیۃ والسیاسۃ الشرعیہ تحقیق محمد جمیل غازی ، القاہرہ المطبعۃ المدنی ، ۱۳۷۷ھ ، ص ۴۰۳ ۔

[3] محمد بن ادریس الشافعی ، کتاب الام ، القاہرہ : مکتبہ الکلیات الازہریہ ، ۱۳۸۱ھ جلد ۴ ص ۲۶۳ ۔

امام شافعیؒ کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا الزام مسلمانوں کے سر رکھنا قطعی بے بنیاد ہے ۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو صحابہؓ کا یہ طرزِ عمل امام شافعیؒ کے لیے دلیل بنتا اور وہ مذکورہ بالا فقہی حکم کیونکر لگاتے ۔ پھر حضرت عمروؓ بن العاص جن کے سر یہ الزام تھوپا جاتا ہے ان کے فرزند ارجمند عبداللہ کے پاس مصر میں عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کی کتابوں کا سب سے زیادہ ذخیرہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کتابوں کی ذخیرہ سازی

یہاں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اسلام میں کتابوں کی ذخیرہ سازی کی اصل غایت: ا- استفادہ و استعمال (USE & UTILIZATION) اور ب- افادہ و ابلاغ (INFORMATION & COMMUNICATION) ہے۔

اہلِ علم ان کا مطالعہ کرتے، یاد کرتے، پڑھتے پڑھاتے اور اُن سے تصحیح و نقل کا کام کرتے ہیں۔ کتابوں کے بغیر ان کا علم زندہ نہیں رہ سکتا اور ان کی علمی زندگی برباد ہو جاتی ہے اس لیے ان کے علمی ذخائر کو حوائج اصلیہ (BASIC NECESSITIES) میں شمار کر کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا[۲] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں تحصیلِ علم ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔

انسانی معاشرے کی انفرادی و اجتماعی علمی ترقی میں مذکورہ بالا مقاصد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام نے ان عظیم مقاصد کے پیشِ نظر اس قسم کے ذخائر کو پڑھنے لکھنے بچ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) موجود تھا اور وہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھوں اگر اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا گیا ہوتا تو وہ بھی کتب کا ذخیرہ گھر میں کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ط: ۳، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۶ھ، جلد ۱ ص ۴۲۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] السیوطی، کتاب الاشباہ والنظائر فی قواعد و فروع فقہ الشافعیۃ، القاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۸ھ، ص ۳۷۴

[۲] ابن الہمام، شرح فتح القدیر، القاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۶ھ، جلد ۱ ص ۴۸۸ - ابن عابدین، حاشیہ رد المحتار شرح تنویر الابصار، ط: ۲، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۶ھ، جلد ۲ ص ۲۶۲۔

کے لیے نہیں، بے پڑھے لکھوں کے لیے بھی، بشرطیکہ تجارت کی نیت سے ذخیرہ سازی نہ کی گئی ہو، ٹیکس سے آزاد رکھا ہے[1]۔ اور علمی ذخیروں کے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقلی پر کبھی کوئی پابندی عاید نہیں کی۔ کاغذ اور کتابوں کی درآمد برآمد کی ہمت افزائی کی، ان پر بھی ٹیکس نہیں لگایا۔ چنانچہ اسلامی قلمرو میں ایشیا سے افریقہ اور یورپ (ہسپانیہ) تک کتب خانوں کی روزافزوں ترقی میں یہ عوامل مددگار و معاون رہے ہیں۔

وسائل و مظاہرِ تہذیب و ثقافت کی ہمت افزائی

اسلام بنی نوع انسان کی مادی ضروریات کے فراہم کرنے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ تہذیب و ثقافت کے وسائل و مظاہر کو مہیا کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کا بھی ضامن ہے وہ اس امر کی ترغیب ہی نہیں دیتا، اسے اہم اور ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف اطراف میں علماء بھیجے، خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول رہا۔ عہدِ عثمانی میں مصحف کے ساتھ مقرئی (جو قراءت و معانی کی طرف رہنمائی کرتے تھے) اسلامی قلمرو کے مرکزوں میں بھیجے گئے تھے[2]۔

اسلام میں دارالمصاحف و بیت المصاحف سے دارالکتب کا آغاز ہوا اور کتب خانہ تہذیب و ثقافت کا مظہر و عہدِ تمدن کی یادگار قرار پایا۔ ابن خلدون کہتا ہے:

> تعلیم و کتب خانے دورِ تمدن کی یادگار ہوتے ہیں، جو قوم جتنی متمدن ہوتی ہے اسی نسبت سے اس کے علوم و فنون کو ترقی ہوتی ہے، صنعتوں اور

---

[1] حاشیۃ الشیخ الشلبی علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی، مصر، المطبعۃ الامیریۃ ۱۳۱۳ھ جلد ۱ ص ۲۷۳

[2] محمد عبدالعظیم الزرقانی، مناہل العرفان، ط: ۳، القاہرہ، عیسی البابی الحلبی ۱۳۷۲ھ جلد ۱ ص ۳۹۶ - ۳۹۷ -

حرفتوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے[1]

اسلام کے تمدن کی پہلی اینٹ مکہ میں رکھی گئی۔ سب سے پہلا مدرسہ مکہ میں کوہِ صفا پر دارِ ارقم میں قائم کیا گیا جو اب مسجد الحرام کی توسیع میں حرم کے اندر آگیا ہے۔ اس میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا۔ اسی درس گاہ میں بیٹھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اسلام و قرآن کی تعلیم و دعوت دی[2]۔ افراد کی سیرت و کردار کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے قرآن کی تفہیم وتشریح کو ذہنوں میں نقش کیا[3]، جس سے صحابہ کرامؓ کا شعور بیدار ہوا۔

ابلاغِ علم اور قرآنِ مجید کی آیات وسور کی جمع و تدوین سے صحابہ کرامؓ کے گھروں میں انفرادی ذخیروں سے کتب خانوں کی داغ بیل پڑی۔ اور علم وکتاب کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ عمر فاروقؓ سورہ طٰہٰ کو پڑھ کر ہی مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ جو ان کی ہمشیرہ حضرت فاطمہؓ کے گھر میں پڑھی جاتی اور محفوظ تھی[4]۔ تاآنکہ عہد عباسی میں کتب خانوں کی تحریک اتنی عام ہوئی کہ کتب وکتب خانے مسلم معاشرے کے لوازم حیات بن گئے۔

مکہ کے بعد اسلام کے تمدن کا آغاز ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے ہوا۔ یہ شہر سب سے پہلے اسلام کی تحریکِ ابلاغ وتحریکِ تعلیم عامہ کا مرکز بنا۔ مسجد نبوی کو اسلام کی پہلی درس گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ابلاغ عامہ کے لیے مدینہ کی نو مسجدوں میں

---

[1] ابن خلدون، المقدمہ، بیروت: دار الکتاب اللبنانی، ب۔ت، جلد ۱ ص ۷۵۴۔

[2] علی عبدالرحمٰن۔ کنوز العلم فی ام القریٰ، الکتاب، شمارہ ۲ دسمبر ۱۹۶۸ء، ص ۲۲

[3] السیوطی، الاتقان، جلد ۲ ص ۲۰۸۔

[4] ابن سعد، کتاب الطبقات الکبیر، لیڈن، مطبعۃ بریل ۱۳۲۱ھ جلد ۳ ص ۱۹۲
السہیلی، الروض الانف تحقیق طٰہٰ عبدالرحمٰن سعد، القاہرہ: مکتبۃ الکلیات الازہریہ ۱۳۹۱ھ جلد ۲ ص ۹۶۔

تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا[1] مدینہ سے علوم کی کرنیں پھوٹیں۔ یہی شہر مرکز علم بنا اور دار السنہ، دار الہجرہ اور دار النصرہ کے لقب سے ممتاز ہوا[2]۔

مذکورہ بالا رہنما خطوط کے مطابق اسلامی عہد میں جو شہر تمدنی حیثیت سے ممتاز رہے وہ تعلیم عامہ کے مراکز بھی رہے۔

مدینہ منورہ کی علمی اہمیت وحیثیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ امام مالکؒ کے یہاں تعامل اہلِ مدینہ ایک شرعی حجت ہے[3]۔

---

[1] حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، ط: ۴، حیدر آباد دکن، مکتبہ نشاۃ ثانیہ، ۱۳۷۸ھ ص ۱۹۔

[2] علی بن احمد السمہودی، وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، مصر، مطبعۃ السعادہ ۱۳۷۴ھ جلد ۱ ص: ۱۵۔ (ب) خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، مکہ، المطبعۃ المنیریہ، ۱۳۱۶ھ، ص: ۵۔ ابن تیمیہ، صحۃ اصول مذہب اہل المدینہ تحقیق زکریا علی یوسف۔ ط: ۲۔ القاہرہ، مطبعۃ الایام، ب ت، ص: ۱۷۔

[3] محمد بن ادریس الشافعی، الرسالہ تحقیق احمد محمد شاکر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۸ھ، ص ۵۳۳۔

عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی، آستانہ حسن حلمی، ۱۳۰۷ھ جلد ۳، ص: ۹۶۱۔

ابن حزم، احکام فی اصول الاحکام، القاہرہ، مکتبہ عاطف، ۱۳۹۶ھ، جلد ۱ ص: ۲۷۲، ۱۷۔

محمد الغزالی، کتاب المستصفیٰ، مصر، مطبعۃ بولاق، ۱۳۲۲ھ جلد ۱ ص ۱۸۶۔

عبد العلی، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت جلد ۲ ص ۲۳۲۔ (یہ کتاب المستصفیٰ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

محمد الخضری بک، اصول الفقہ، ط: ۶، القاہرہ: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ ۱۳۸۹ھ ص ۲۷۷۔

الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی ط: ۹، القاہرہ: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۸۰ھ، ص: ۲۲۳۔

ادوارِ مابعد

دَورِ مرتضوی میں مرکزِ خلافت جب عراق منتقل ہوا تو علمی و کتابی ترقی کا شرف کوفہ و بصرہ کو حاصل ہوا۔ کوفہ کو قبۃ الاسلام اور اہل الاسلام[1] اور بصرہ کو چشمِ عراق کہا جانے لگا[2]۔ کوفہ میں فقہ حنفی کی تدوین ہوئی، کوفہ و بصرہ ہی میں نحو و لغت کی آبیاری ہوئی، دو مکاتبِ فکر یا دبستان یعنی بصرہ و کوفہ کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، علوم نحو و لغت پروان چڑھے، دبستانِ فکر، نظر یعنی عقائد و کلام یہیں پیدا ہوئے۔ قراءات و روایات کا یہاں زیادہ چرچا رہا[3]۔

دَورِ اموی میں دار الخلافہ جب سرزمینِ شام میں منتقل ہوا تو مرکزِ علم دمشق بن گیا۔ خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز کے دَورِ خلافت میں حکومت کی طرف سے تدوینِ سنت (احادیث و آثار) کے احکام جاری کیے گئے[4]۔ بنی امیہ نے اطرافِ بلاد میں ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی (۸۸ — ۱۵۷ھ - ۷۰۷ تا ۷۷۴ء) کے فقہی مسلک کی نشر و اشاعت میں مدد کی اور انہیں جامعِ دمشق و محلاتِ شاہی میں درس کے حلقے قائم کرنے پر مامور کیا[5]۔ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے انہیں

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت: دار صادر للطباعۃ والنشر، جلد ۲، ص: ۶
عبدالکریم السمعانی، الانساب، لیدن: مطبوعۃ بریل، ۱۹۱۲ء، ورق ۴۰۔

[2] ابن قتیبہ، عیون الاخبار، القاہرہ: مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۳۴۳ھ، جلد ۲ ص: ۲۲۲
الثعالبی، لطائف المعارف، تحقیق ابراہیم الابیاری حسن کامل الصیرفی مصر: عیسی البابی الحلبی ۱۳۷۹ھ، ص: ۱۷۰۔

[3] ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری، معرفۃ علوم الحدیث، تحقیق معظم حسین، القاہرہ: مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۹۳۷ء، ص: ۲۴۴ — ۲۴۹۔

[4] ابن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضلہ مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ۱۳۲۹ھ جلد ۱ ص: ۷۶ — ابن حجر، فتح الباری جلد ۱ ص: ۲۰۴۔

[5] الامیر شکیب ارسلان، محاسن المساعی فی مناقب الاوزاعی ص ۱۰۲ - ۱۰۶۔

اصحاب الرائے میں شمار کیا ہے[1] اور عبدالرحمن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ کا قول ہے کہ فنِ حدیث میں چار امام ہیں :-

۱- اوزاعی ۲- مالک ۳- سفیان ثوری ۴- حماد بن زید[2]

عہد عباسی میں بغداد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تو بغداد معدنِ علم وفن بنا - یہ مدینۃ الاسلام دقبۃ الاسلام کے لقب سے ممتاز ہوا[3] - یہاں امام ابو یوسف نے مالیات کے موضوع پر کتاب الخراج لکھی - امام محمد نے جنگی احکام پر کتاب السیر الصغیر و کتاب السیر الکبیر مرتب کیں جنہیں خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے عہد کے مفاخر میں شمار کیا ہے[4] اسی سرزمین پر فقہ کے مشہور مذاہب اربعہ میں حنبلی مذہب کی نشوونما ہوئی - بغداد میں جو اصحاب الرائے کا مرکز تھا، اسی سرزمین پر فقہ ظاہریہ کی تدوین عمل میں آئی - یہیں فنِ جرح و تعدیل کی تدوین ہوئی -

تاریخِ اسلام میں سرزمین عراق کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں اہل السنۃ والجماعہ کے شہرۂ آفاق چار دبستان فقہ سے تین حنفی، شافعی و حنبلی کو نشوونما نصیب ہوا - یہ فضیلت و امتیاز جب مصر کو نصیب ہوا تو یہاں امام لیث بن سعد (۹۴ - ۱۷۵ھ / ۷۱۳ تا ۷۹۱ء) کے فقہی مسلک کا آغاز ہوا - جن کے متعلق امام شافعی کا قول ہے کہ لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے - لیکن ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا، اس لیے کہ

---

[1] ابن قتیبہ - المعارف، تحقیق ثروت عکاشہ، القاہرہ، مطبعۃ دار الکتب، ۱۹۶۰ء ص ۴۹۶ - ۴۹۷ -

[2] ابن ابی حاتم الرازی، تقدمۃ الجرح والتعدیل، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ ۱۳۷۱ھ ص ۲۰۳ (ل ۱)، کتاب الجرح والتعدیل، جلد ۲ ق ۲، ص ۷ - ۲۲۶ -

[3] یاقوت، معجم البلدان، بیروت: دار صادر للطباعۃ والنشر ۱۳۷۴ھ جلد ۱ ص ۴۶۱

[4] محمد بن محمد السرخسی، شرح کتاب السیر الکبیر للامام محمد، تحقیق صلاح الدین المنجد، القاہرہ، شرکۃ الاعلانات الشرقیۃ، ۱۹۷۱ء جلد ۱ ص ۴ -

انہوں نے اُن کی فقہی آرا اور علوم کو مدوّن نہیں کیا۔[1] یہاں از سرِ نو فقہ شافعی کو ترتیب دیا گیا۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کے قولِ قدیم جس کا تعلق بغداد اور قولِ جدید (کتاب الام) جس کا تعلق مصر سے ہے، عیاں ہے۔

پھر خراسان میں نیشاپور کو اور مغرب میں قیروان و قرطبہ کو علمی تفوق حاصل ہوا۔ یہاں علمی ترقی کا دور دورہ ہوا تو کوفہ و بصرہ کے ائمہ نحو و لغت کے طبقات کے ساتھ اہل قیروان و قرطبہ کے ائمہ نحو و لغت کے طبقات کو بھی بیان کیا جانے لگا۔[2] ابن خلدون کہتا ہے:

”بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ اور کوفہ کو دیکھو جب یہاں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تمدن پھیلا اور عمرانی ترقی درجہ کمال کو پہنچی تو ان شہروں میں علم کے سمندر جوش مارنے لگے، یہاں کے باشندے تعلیمی اصطلاحات و مسائل کے استنباط میں تفننِ طبع دکھانے لگے اور متقدمین سے بھی گوئے سبقت لے گئے جب یہاں تمدن کو زوال آیا اور حالت ابتر ہو گئی تو بساطِ علم اُلٹ گئی اور علم و تعلیم یہاں سے مفقود ہو کر دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے۔“

جب بغداد، بصرہ اور کوفہ جیسی علم کی کانیں مٹ گئیں تو ان سے بڑے بڑے شہر آباد ہوئے اور علم کا مرکز عراق عجم میں منتقل ہو کر خراسان و ماوراء النہر میں قائم ہوا۔ پھر قاہرہ میں منتقل ہوا، قاہرہ کی تمدنی حیثیت چونکہ مسلسل قائم رہی اس بنا پر یہ ہر زمانے میں علم کا مرکز رہا، اس لیے جو لوگ دیارِ مغرب سے علم حاصل کرنے کے بعد دیارِ مشرق میں آتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اہل مشرق کی عقل و ذہانت اہلِ مغرب سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ فطرتاً طور پر ان سے زیادہ عقل مند اور تیز ہوتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ مغرب (یورپ ہسپانیہ) اور مشرق (ایشیا و افریقہ) کے باشندوں کی انسانی خصوصیتوں میں فرق سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے......

---

[1] ابن حجر، الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ، مصر، المطبعۃ امیریہ، ۱۳۰۱ھ، ص: ۶

[2] ابوبکر محمد الزبیدی، طبقات النحویین واللغویین، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، مصر: محمد سامی امین المنانجی، ۱۹۷۳ء، ص: ۲۴۰-۲۴۵۔

اہلِ مشرق تمدنی ترقیوں کی مسلسل مشق جاری رکھنے کے باعث اہلِ مغرب سے بڑھ گئے ہیں، ان کی تمام عقلی ترقیوں کا حقیقی سبب یہی ممارست و انہماک علمی درس و تدریس، کتب و کتب خانے ہیں[1]۔

فتوحاتِ اسلامی کی وسعت و تعلیم عامہ کے مراکز

عہدِ رسالت سے تعلیم کا آغاز ہوا لیکن سو سال کی مختصر سی مدت میں تعلیم کو ایسی ترقی ہوئی کہ فتوحاتِ اسلامی کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا گیا تعلیم کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوا۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:۔

جسے تاریخ کا تھوڑا سا بھی علم ہے وہ یقیناً یہ بات جانتا ہے کہ تابعین نے سندھ، خراسان، آرمینیہ، آذربائیجان، موصل، دیارِ ربیعہ، دیارِ مصر، شام، افریقہ، اندلس، حجاز، یمن، پورا جزیرۂ عرب، عراق، فارس، کرمان، سجستان، کابل، طبرستان، جرجان اور جبال میں اسلام پھیلایا اور نورِ علم سے گوشہ گوشہ منور کر دیا تھا۔ الحمدللہ ان مذکورہ شہروں میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جس میں "مفتی" اور "مقری" نہ ہو، اکثر شہروں میں تو ایک سے زیادہ "مفتی" و "مقری" موجود تھے[2]

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھی کئی کئی مقری و مفتی (معلم اور لائبریرین) (ریفرنس اسسٹنٹ) موجود تھے۔ مؤرخ شمس الدین ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں طبقہ ثانیہ کے اختتام پر ۱۰۰ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ "پہلی صدی ہجری میں اہلِ علم و ائمہ اجتہاد، زہاد، عباد، اقطاب، اغوث اور ابدالوں کی ایک بہت بڑی خلقت

---

[1] ابن خلدون ص ۸۴ - ۸۵ -

[2] ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، تحقیق احمد محمد شاکر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۴۵ھ، جلد ۵، ص: ۱۰۴ -

بلادِ اسلامی میں آباد تھی۔ ممکن ہے ہم نے ان میں سے جن کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے وہ ان سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، علم و فضل، عبادت و ریاضت اور کارناموں میں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوں۔ پہلی صدی ہجری میں اسلام کا خوب بول بالا ہوا اور گوشہ گوشہ میں اسلام پھیل گیا تھا[1]

مورخ موصوف نے تیسرے طبقے کے خاتمہ پر مختلف بلاد کے فقہا، محدثین و حفاظ کے نام پانچ صفحوں میں گنائے ہیں جن کی مساعی جمیلہ سے علوم و فنون کو فروغ حاصل ہوا تھا[2]۔ تعلیم کا جہاں اتنا رواج اور چرچا ہو وہاں ممکن نہ تھا کہ کتب خانے نہ ہوں، انہی وجوہ سے ہم نے عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ و دَورِ اموی میں کتب خانوں کا سراغ لگایا اور اس دَور کے کتب خانوں کا تذکرہ "عہدِ رسالت سے دَورِ اموی تک کتب خانوں کا ارتقاء" میں پیش کیا ہے[3]

بلاشبہ عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ اور دَورِ اموی میں بعض علوم کی تدوین کا آغاز ہوا، انفرادی، عوامی اور شاہی کتب خانوں کی داغ بیل پڑی، لیکن عہدِ رسالت سے دَورِ اموی تک خالص عربی تمدن جلوہ فگن رہا۔ عربوں کا اپنی قوتِ حافظہ پر جیسا کچھ اعتبار و اعتماد اور فخر و ناز تھا وہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے، چنانچہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ وہ اپنا پورا علمی و ثقافتی ورثہ، نسب نامے، جنگی کارنامے بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے قصیدے سب حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے اور انہیں قیدِ تحریر

[1] شمس الدین محمد بن احمد الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ط: ۳ حیدر آباد الدکن، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ - ۱۹۵۶، جلد ۱ ص: ۷ پیش لفظ، ص ۳ - ۴

[2] الذہبی: تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱ ص ۱۰۲ - ۱۰۷

[3] یہ وہ مقالہ ہے جو راقم السطور نے علم کتب خانہ کے موضوع پر ایم - اے کی ڈگری کے لیے لکھا تھا۔

میں لانا عار سمجھتے تھے[1] - مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے یہاں کوئی کتابی مواد ہی نہ تھا، رسالت مآب کے معاہدات، فرامینِ ذاتی و سرکاری خطوط اور قرآن و سنت کا تحریری سرمایہ موجود تھا، جس کا تذکرہ مذکورہ بالا مقالہ میں کیا گیا ہے -

عربوں کو اپنی قوت حافظہ پر غیر معمولی اعتماد اور تحریری مواد کی قلت کی وجہ سے ان کے تحریری سرمایہ میں نوع و کثرت نہیں آسکی تھی اور نہ بہت اعلیٰ پیمانے پر ان کے علوم و فنون کی تدوین ہی کی جا سکی تھی - اس لیے اس دور کے کتب خانوں کے ذخیرہ میں ایسی جامعیت، تنوع و کثرت پیدا نہ ہوئی جو بعد کے ادوار میں ہوئی - اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ صرف ابلاغ اور کتب خانوں کی تحریک کا وہ آغاز ہے جس سے علم و کتاب کے سلسلے کا احیاء ہوا تھا - اس کو ترقی دینا کتب اور کتب خانوں کے متنوع اقسام کے ترقی پذیر سلسلہ کو نئی اور مضبوط بنیادوں پر فروغ دینا عباسی خلفاء کا کارنامہ ہے -

(باقی)

---

[1] احمد بن علی الخطیب البغدادی، تقیید العلم، تحقیق یوسف العش، دمشق، المعہد الفرنسی ۱۹۴۹ء، ص ۱۱۰ -

ہماری نئی مطبوعات

۱- خورشید رسالت کی پانچ کرنیں	آباد شاہ پوری	۱۸/- روپے
۲- یادِ رفتگاں	ماہر القادری	۴۲/- 〃
۳- اسلام میں جرم و سزا	ڈاکٹر عبدالعزیز عامر	۳۲/- 〃
۴- اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں	امام ابن تیمیہ	۱۸/- 〃

البدر پبلی کیشنز - اردو بازار - لاہور ۲